۳۔ جب انسان قرآن وغیرہ لکھ کر بدن سے باندھے گا، تو قضائے حاجت، استنجاء اور جماع وغیرہ کے دوران بھی ساتھ رہے گا، اور بلاشبہ یہ اس کی توہین ہے۔[فتح المجید ص ۱۷۰ ، الإیضاح المبین ص۹۷]

نواب صدیق الحسن خانؒ نے بالکل توہین نہ ہونے کی صورت میں ''خلاف اولیٰ جائز'' قرار دیا ہے۔[الروضة الندية] لیکن یہ بہت مشکل ہے، توہین سے بچانے کیلیے ایسے تمام مواقع پر اتار دے، تو بعد میں بھول کر گم جانے اور پامال ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

۴۔ ایک اور شدید خطرہ کم علم وضعیف الاعتقاد لوگوں میں یہ ہے کہ ''تعویذ'' ہی کو جلب منفعت اور دفع مضرت کا سبب خیال کرنے لگیں، جو کہ بالإجماع حرام ہے۔

۵۔ سعودی عرب کے ممتاز علماء کی ٹیم نے ''الحصن الحصین'' جیسی صحیح اذکار وادعیہ کی کتاب کو بھی بطور تعویذ رکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔[الایضاح المبین ص ۸۹]اور تعویذ کو شرک اکبر، شرک اصغر اور کم از کم بدعت ومعصیت قرار دیا ہے۔[ص ۹٦]

٦۔ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ: تعویذ تکیے کے نیچے رکھنا بھی حرام ہے، دیوار پر لٹکانا بھی جائز نہیں۔[فتوی ابن العثیمین مع الإیضاح المبین ص ۱۵۰ ، ۱٥٤]

تعویذ کی اجرت شریعت کی نظر میں

حضرت یعلی بن مرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تین واقعات دیکھے جنہیں میرے سوا کسی نے نہیں دیکھا۔ میں ایک سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، راستے میں ایک عورت اور اُس کا بچہ تھا۔ وہ بولی: اے اللہ کے رسول! اس بچے پر بلا آئی ہے، جس کی وجہ سے ہم آزمائش میں پڑ گئے ہیں۔ روزانہ بے شمار مرتبہ اس پر دورہ پڑتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بچہ مجھے تھما دو، اسے اپنے سامنے کجاوہ پر رکھا پھر اس کا منہ کھول کر تین دفعہ دم کیا اور فرمایا: ''بسم الله، أنا عبد الله، أخسأ عدوَّ الله'' پھر بچہ اُسے دے کر فرمایا: ''ہماری واپسی پر اسی جگہ آکر بتاؤ کہ اس کا کیا حال ہے''یعلیؓ کہتے ہیں ہم جا کر لوٹے تو ہم نے اُسے اسی جگہ پایا، اس کے ساتھ تین بکریاں تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تیرے بچے کا کیا حال ہے؟ وہ بولی: واللہ ہم نے اب تک کوئی نقص نہیں دیکھا۔ آپ یہ بکریاں لے لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یعلیؓ سے فرمایا: نیچے اترو، ان میں سے ایک بکری لے لو اور باقی واپس کر دو..........''

[مجموع الفتاویٰ ۱۹/ ۵۷ ۔ ۵۸]

سماحۃ الشیخ ابن بازؒ سمیت سعودی عرب کے ممتاز علماء کی ٹیم نے تعویذ کی ''حرمت'' کی بنیاد پر اس کی اجرت کو ''حرام'' کہا ہے اور لکھتے ہیں: اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ اس قسم کے کاروبار کو ختم کرے۔ [الإیضاح المبین ص۹۵، ۱۰۵]

حدیث یعلیؓ سنداً صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے ''جائز'' قسم کے دم وغیرہ پر مناسب ''اجرت'' لینے کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم

علمی مقالہ قسط (2)

فتوىٰ کی اہمیت اور مفتی کا مقام

فضیلۃ الشیخ حافظ ثناء اللہ زاہدی

عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کے قضایا و احکام اپنی ذاتی حیثیت اور شرعی اہمیت کی وجہ سے (قضا اور افتاء کے فرق کے تحت بیان کردہ نکات سے) مستثنیٰ ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے شرعی فیصلے رسالت کی وجہ سے وحی الٰہی کا حصہ ہیں۔☆ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلوں اور احکام کو سنت خلافت راشدہ کا شرف اور اعزاز حاصل ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ**" "سو میری اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑنا، اس کو داڑھ کے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لینا" [أبوداؤد، السنة، باب ٥ في لزوم السنة، الترمذي العلم باب ١٦ ح: ٢٦٧٦ وقال حسن صحيح، وصححه الألباني]

آداب الإفتاء (فتوىٰ دینے کے آداب)

مفتی کو جیسے اپنے ادب کا پاس ہے، وہ یہ بھی ہرگز نہ بھولے کہ کس عظیم ذات والا صفات ﷺ کی ترجمانی کر رہا ہے اور کس

☆ ام المؤمنین اُم سلمہؓ: رسول اللہ ﷺ نے (ایک فیصلے کے بعد) اپنے دروازے کے پاس (فریقین کے) جھگڑنے کی آواز سنی تو ان کی طرف نکل پڑے اور فرمایا: " **إنما أنا بشر يأتيني الخصم، فلعلّ بعضكم أن يكون أبلغ من بعض فأحسب أنه صادق، فأقضي له بذٰلك، فمن قضيتُ له بحق مسلم فإنما هي قطعة من النار، فليأخذها أو ليتركها** " [البخاري، الأحكام باب ٢٩ ح: ٧١٨١]

امام شافعیؒ: "معلوم ہوا کہ امت ظاہری احکام کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہے اور قاضی کا فیصلہ حلال کو حرام، حرام کو حلال نہیں کرتا۔" [فتح الباري ١٣/ ١٨٤ السلفية]

ہر قضائے نبوی کے ﴿ **وما ينطق عن الهوىٰ** ۞﴾ میں شامل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اس حدیث کی رُو سے ہر فیصلہ نبوی کو ﴿ **إن هو إلا وحيٌ يوحىٰ** ۞﴾ کا بعینہٖ مظہر سمجھنے کے بجائے فیصلے کے شرعی اصول: "**البينة على المدعِي واليمين علىٰ من أنكر**" [البيهقي ١٥/ ٢٥٢] وغیرہ کو ہی آیت کا مصداق سمجھنا احوط لگتا ہے۔ اور اسی میں سہو فی الصلاۃ جیسی حکمت پوشیدہ ہے۔ والله أعلم (ابو محمد)

محترم شخصیت کی مسند ارشاد و توجیہ پر فائز ہے!! اس کے ادب کے کیا قرینے ہیں؟ گویا ادب کی پاسداری سائل سے مجیب پر ہزار گنا بڑھ کر ہے۔

ذیل میں ان اصول وضوابط کی نشاندھی کرنے کی کوشش کریں گے جن کی پاسداری آداب افتاء کا تقاضا ہے۔اس سے جیسے اس منصب شریف سے وابستہ حضرات گرامی میں احساس مسئولیت کی تجدید ہوگی، وہاں ہمارے اہل فکر ونظر اور متلاشیان حق کو اندازہ کرنے میں بھی مدد ملے گی کہ محدثین کے مکتب فکر سے وابستہ ''فقہ الحدیث'' کے حامل فقہاء اہل حدیث اور مفتیان کرام کس درجہ اخلاص و سنجیدگی کے ساتھ یہ فرض ادا کرتے ہیں۔ **وباللہ التوفیق**

{1} فتوی کی اساس صرف کتاب وسنت ہے: تشریع یعنی شریعت مقرر کرنا صرف اللہ کا حق ہے اور اس نے اپنے اس حق میں کسی کو شریک نہیں کیا، بلکہ اس کی تبلیغ ورسالت کے لیے بھی اپنے خاص اور چیدہ و برگزیدہ بندے مقرر فرمائے۔لہٰذا اسی کی غیر مشروط پیروی بالکل واجب ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی شریعت، عُرف وعادت اور خود ساختہ نظام کی کوئی حیثیت نہیں۔

بلکہ کوئی ایسا نظام، دستور اور قانون جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ شریعت کے منافی ہو،اسے ترک کرنا اور اس کی مخالفت کرنا بھی اس طرح فرض اور واجب ہے، جس طرح احکام شریعت حقہ پر عمل کرنا فرض اور واجب ہے۔اس کے بغیر توحید کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

جسے شریعت کے کسی حکم کا علم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کی اتباع فرض کردی ہے۔اب اس کے پاس سمع وطاعت کے بغیر کوئی چارہ کار اور راہ نجات نہیں، کیونکہ اللہ پاک نے اپنی ذات پر بندے کے حق اور اپنے امور ومعاملات میں اس کے اختیار کی نفی کردی ہے۔فرمایا: ﴿ **وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسولہ أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا** ۞﴾[الأحزاب ٣٦] ''اور کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے میں فیصلہ صادر فرمائیں تو اس کا کوئی ذاتی اختیار ہو، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ سیدھی راہ سے بھٹکا اور صریح گمراہی میں جا پڑا۔''

نیز احکام دین وشریعت میں سمع وطاعت کو مؤمن کا شعار قرار دیا گیا۔فرمایا:﴿ **إنما كان قول المؤمنين إذا دعوآ إلى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا وأولئک هم المفلحون** ۞﴾ [النور ٥١] ''مؤمنوں کی تو صرف یہی بات ہوتی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان کے

درمیان فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" نیز فرمایا: ﴿ وأن هـــذا صـراطي مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله ﴾ [الأنعام ۱۵۳] "اور بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے، پس تم اسی کی اتباع کرنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ ان پر چل کر اللہ کی راہ سے الگ ہو جاؤ گے۔" عـــن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال:" خط لنا رسول الله ﷺ خطا ثم قال : هذا سبيل الله ، ثم خط خطوطا عن يـمينه وعن شماله وقال : هذه سبل وعلى كل سبيل منها شيطان يدعو إليه" وقرأ :﴿ وأن هذا صراطي مستيـقما فاتبعوه ﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں کئی خطوط کھینچے اور فرمایا: ان میں سے ہر راستے پر ایک شیطان مقرر ہے، جو اس کی طرف بلاتا ہے۔" پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وأن هذا صراطي مستـقيما فاتبعـوه ﴾ [أحمد ۱/ ٤٦٥ ، ابن ماجه باب اتباع السنة ح:۱۱ صحيح]

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کا ورق دیکھ کر شدید غصے سے فرمایا: " والـذى نـفـس مـحـمد بيدهٖ لو بدا لكم موسىٰ فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل ، ولو كان حياً وأدرك نبوتي لاتبعني" [الدارمي المقدمة باب ۳۹ ح: ٤٣٥ ،احمد ۳/ ٤٧١ ،٤/ ٢٦٦] "اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام خود بھی نمودار ہو جائیں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرلو تو بھی راہ راست سے بھٹک جاؤ گے، اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میرا عہد نبوت پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: " أجـمـع الـنـاس عـلى أن من استبانت له سنة رسول الله ﷺ لم يكن له أن يدَعها لقول أحد من الناس." [أعلام الموقعين ۲/ ۲۱۲] "اجماع ہے کہ جس کو سنت نبوی کا علم ہو جائے، اسے کسی اور شخصیت کے لحاظ میں چھوڑ دینا حرام ہے۔" کسے باشد!

لہٰذا مفتیان شرع متین کا فرض ہے کہ اِفتاء میں اس ادب کی پاسداری کریں۔ وحی الٰہی کی اوّلیت، اوْلـویـت اور فوقیت کو عملاً قبول کریں۔ سائل کی رہنمائی صرف کتاب وسنت کی روشنی میں کریں۔ علماء دین کی طرف رجوع کرنے والے لوگ اس حسن ظن اور ارادت مندی کی وجہ سے ہی ان کے پاس آتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ بتلائیں گے دیانتداری اور علمی امانت کا تقاضا ہے کہ ان کے حسن ظن کو ٹھیس نہ پہنچایا جائے۔

{2} شریعت سے رائے کا ٹکراؤ نہ ہونے پائے: بعض اوقات انسان ہوائے نفس کا شکار ہو جاتا ہے۔ وحی

الٰہی اور نصوص شریعت پر عمل میں گرانی محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ کبھی سننے میں آتا ہے: ''یہ بات دل کو نہیں لگتی، ذوق و وجدان تسلیم نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہوگا۔'' اب تمنائے خام، خواہشات نفس اور ذوق و وجدان کی صحت و سقم کا کوئی معیار تو مقرر نہیں، صرف شریعت ہی معیار ہے، اسے ''وجدان'' کی سان پر چڑھا دیا، اس کج روی سے تو پوری شریعت کا ڈھانچہ ہی انسان کے لیے بکھر کر رہ جائے اور وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔ ایسی صورت حال میں شریعت کو حَکَم اور فیصل مان کر اپنی رائے کا جائزہ لینا ہی سلامتی کی راہ ہے۔ خواہشات نفس کی تکمیل کے لیے کتاب وسنت کو نظر انداز کر کے اقوال الرجال اور بے اساس فقہی آراء کا سہارا لے کر سائل کے لیے راہیں تلاش کرنا، رب تعالیٰ کے بجائے اُسے خوش کرنے کی کوشش کرنا یقیناً اتباع ھویٰ کی ذیل میں آتا ہے، جو آداب افتاء کے سراسر منافی ہے۔ اصحاب رسول ﷺ نصوص کی موجودگی میں رائے پر عمل کو بہت معیوب سمجھتے اور اس سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ **یا داؤد إنا جعلناک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ** ﴾ [ص ۲۶] ''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کر اور ذاتی خواہش کی پیروی نہ کیا کر، خواہش کی پیروی تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔''

عن عبد اللہ بن عمرو ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : " لا یؤمن أحدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ " عبداللہ بن عمرو ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میری وحی کے تابع نہ ہو جائے۔''

صحیح بخاری میں سہل بن حنیف ؓ سے مروی ہے: **یا أیھا الناس اتھموا رأیکم علی دینکم ، لقد رأیتنی یوم أبی جندل ولو أستطیع أن أردّ أمر رسول اللہ ﷺ لرددتہ"** [البخاری ، الاعتصام باب ۷ ح: ۷۳۰۸]

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں: **" إیاکم وأصحاب الرأی فإنھم أعداء السنن ، أعیتھم الأحادیث أن یحفظوھا فقالوا بالرأی فضلوا وأضلوا"** [البیھقی وابن عبد البر فی جامع بیان العلم وفضلہ بطرق، ص:۴۴۳ وفتح الباری ۱۳/ ۲۸۹] ''اصحاب رائے سے بچنا، بلاشبہ وہ لوگ سنتوں کے دشمن ہیں، احادیث نبویہ کو یاد کرنے سے عاجز رہے تو رائے پر ہی فتوی دینے لگے، سو خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔''

رائے محض کی مذمت میں یہ اور اس جیسے دیگر نصوص اور آثار صحابہ ؓ صحیح اسناد کے ساتھ بکثرت موجود ہیں۔ صحابہ کرام ؓ نے رائے کی مذمت میں جو کچھ کہا ہے اس سے مراد رائے محض ہے، جس کی کوئی اصل اور دلیل کتاب وسنت میں نہ ہو۔ فکر

ونظر اور بحث وتحقیق کے بغیر بلاتوقف جس کا اظہار کردیا جائے۔

{3} مفتی اضطراری حالت میں حسب ضرورت رائے سے کام لے تو اس کی وضاحت کردے:

حضرات صحابہ کرام ؓ بعض اوقات ضرورت پیش آنے پر رائے سے کام لیتے تھے، مگر انہوں نے کبھی اپنی اجتہادی آراء کو حرف آخر سمجھا اور نہ ہی انہیں دین قرار دے کر کتاب وسنت کی طرح واجب القبول والاتباع ٹھہرایا، بلکہ صراحت کی کہ یہ ہماری رائے ہے، جس میں درستی اور غلطی دونوں کا احتمال ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ رائے واجتہاد سے فتوی وفیصلہ دیتے تو فرماتے: " هذا رأيي فإن يكن صوابا فمن الله وإن يكن خطأ فمني ومن الشيطان " یہ میری رائے ہے، اگر درست ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔"

{4} شخصیت پرستی سے اجتناب: مفتی کو فتوی دیتے وقت اور سائل کو اس پر عمل کرتے وقت شخصیت کے بجائے شرعی دلائل پر اعتماد کرنا چاہیے۔ شخصیات جس قدر بھی اعلیٰ وبالا ہوں، نصوص کتاب وسنت یعنی وحی الٰہی کے بالمقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ارشادربانی ہے: ﴿ يٰايها الذين امنوآ اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فإن تنازعتم فى شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الأخر﴾ [النساء ٥٩]" اے مؤمنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں سے اولو الامر (اہل اقتدار) کی بھی، اگر کسی بات میں تمہارے آپس میں اختلاف ہو جائے تو اگر تمہیں واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو تو اس اختلاف میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو۔"

امام شافعیؒ کا یہ فرمان بہت معروف ہے: "إذا صح الحديث فاضربوا بقولي الحائط" صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔" یہی ان باعظمت رجال کی شان ہے۔ رحمهم الله.

{5} صحیح دلیل مل جائے تو اپنی رائے پر مبنی فتوے سے رجوع کرلے مفتی کو کتاب وسنت کی کوئی نص نہ مل سکی تو بوقت ضرورت رائے واجتہاد سے کام لیا اور مجبوراً فتویٰ جاری کردیا۔ پھر اپنے فتوے کے برعکس کوئی دلیل صحیح مل گئی تو مفتی پر لازم ہے کہ اپنے فتوے اور رائے سے رجوع کرلے اور دلیل کی پیروی کرے۔ ﴿ وما لنا لا نؤمن بالله وماجآء نا من الحق﴾ [المائدة ٨٤] "اور ہمیں کیا حق ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آچکی ایمان نہ لائیں۔"

خطیب بغدادی احمد بن علی بن ثابتؒ (ت ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب "الفقيه والمتفقه" میں ایک مستقل عنوان کے تحت صحابہ کرام ؓ سے اس کی متعدد مثالیں نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: "ذكر ما روى من رجوع الصحابة من آرائهم

التي رأوها إلى أحاديث النبي ﷺ إذا سمعوها ووعوها“

{6} مذہبی تعصب سے پرہیز: فہم نصوص میں اختلاف پایا جاتا ہے، اجتہاد ورائے کے مختلف مدرسہ ہائے فکر موجود ہیں، تاہم اس اختلاف کو کسی بھی صورت تعصب کا رنگ نہیں اختیار کرنا چاہیے اور انکارِ حق کی نوبت تک ہرگز نہیں پہنچنا چاہیے۔ باب افتاء واجتہاد میں یہ نقطہ انجماد ہی نہیں، بلکہ بالکل منفی رخ ہے، جس سے مفتی کی شخصیت مجروح ہوتی ہے اور امت کی آبرو پر حرف آتا ہے۔ یہ طرزِ عمل تعلیماتِ الٰہیہ اور ارشاداتِ نبویہ کے سراسر منافی ہے، عدل وانصاف کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔ حق جہاں کہیں اور جس کسی سے ملے اسے قبول کرنا ہی سلامتی کی راہ ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ يـأيها الذين اٰمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصٰدقين ﴾[التوبة ۱۱۹] ”ایمان دارو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازلوگوں کے ساتھ رہو۔“ نیز فرمایا: ﴿يـأيها الذين اٰمنوا كونوا قوامين بالقسط ولا يجرمنكم شناٰن قوم علىٰ أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوىٰ واتقوا الله ﴾[المائدة ۸] ”اے اہل ایمان! اللہ کے لیے حق پر قائم ہو جاؤ، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر مجبور نہ کردے کہ تم عدل سے ہٹ جاؤ، عدل کرو، یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔“

{7} کسی امام، مجتہد اور مفتی کی غلطی معلوم ہو جائے تو اسے معذور سمجھیں۔ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی اجتہادی غلطی نظر سے گزرے تو اسے معذور خیال کرنا چاہیے۔ انہوں نے بصراحت اپنی تقلید سے منع کیا ہے اور مخالفِ دلیل اقوال کو مسترد کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ان کا سب سے بڑا عذر یہ ہے کہ حدیث نبوی کی عام تدوین نہ ہونے کی وجہ سے بہت ساری احادیث ان تک نہ پہنچ سکیں، اس لیے رائے وقیاس اور اجتہاد سے مسائل استنباط کرنا پڑے۔

عمرو بن العاص ﷛: رسول اللہ ﷺ سے سنا: ”إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر“ [البخاري ح:۷۳۵۲] ”جب کوئی قاضی فیصلہ کردے اور اجتہاد (خوب محنت) کرے پھر درستی کو پہنچے تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا، اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرنے کے باوجود غلطی ہو جائے تو اس کے لیے اکہرا ثواب ہے۔“

اس صورت حال میں اجتہادی خطا کی وجہ سے ائمہ فقہ پر لعن طعن کسی مفتی و مجتہد کے شایانِ شان نہیں، البتہ حق واضح ہونے اور دلیل ظاہر ہونے کے باوجود کوئی بندہ تقلید کے بندھن میں بندھا ہوا ہے اور اقوال وآراءِ رجال پر مبنی فتوے صادر کرنے سے باز نہیں آتا تو قابل مذمت مجرم ہے۔ اس کا یہ عمل آدابِ افتاء اور قرینہ جواب کے سراسر منافی ہے، ایسا شخص مفتی

جیسے جلیل القدر منصب کا اہل ہی نہیں۔

{8} اہل علم سے مشاورت کا اہتمام کرنا چاہیے

رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ مشاورت کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ آپ ﷺ سید الاولین والآخرین اور امام الانبیاء والمرسلین ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿فاعف عنهم و استغفر لهم و شاورهم في الأمر﴾[آل عمران ١٥٩] ''سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے اور کام میں ان سے مشورہ لیا کیجیے۔''

خلفاءِ راشدین ﷺ نے بھی دینی امور و معاملات میں پیش آمدہ اجتہادی مسائل میں مشاورت کی روایت کو برقرار رکھا اور سنت نبویہ پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح و ستائش بھی فرمائی۔ ﴿ والذين استجابوا لربهم و أقاموا الصلوٰة و أمرهم شوریٰ بينهم ﴾[الشوریٰ ٣٨] ''اور وہ جنہوں نے اپنے رب کے فرمان کو قبول کیا اور نماز قائم کی اور ان کا ہر کام باہم مشورے سے ہوتا ہے۔''

صحابہ کرام ﷺ کے باہم مشاورت پر مبنی دینی و سیاسی امور و معاملات اسلامی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ افتاء کے ادب کا احساس کرتے ہوئے اس سنت نبویہ کی پاسداری کی جائے۔ اس سے کم از کم روز افزوں اختلافات میں کمی ضرور آئے گی اور فتویٰ لادین عناصر کے تمسخر سے محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ

{9} افتاء کے لیے طویل بحث و تمحیص، تلاش و جستجو اور عمیق فکر و نظر سے کام لیا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے اعلم الناس ہونے کے باوجود متعدد سوالوں کے جواب میں طویل سکوت اختیار فرما کر وحی الٰہی کا انتظار کیا، جو امت کے لیے بہترین تعلیم ہے۔ حضرات صحابہ کرام ﷺ کا منہج فکر و نظر اور اجتہاد وافتاء بھی یہی تھا، وہ افتاء میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے پاس استفتاء آیا: ''ایک شخص نے نکاح کیا، رخصتی نہیں ہوئی، ازدواجی تعلقات بھی قائم نہیں ہوئے، اتنے میں وہ شخص فوت ہوگیا۔ عورت کا مہر بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا۔'' ابن مسعود ﷺ جیسے جلیل القدر صحابی جواب سے گریز کر رہے ہیں، متعلقہ لوگ ایک ماہ تک بتکرار ان کے پاس حاضر ہو کر باصرار پوچھتے رہے۔ پھر کہیں ان کا اجتہاد تکمیل کو پہنچا اور جواب دیا تو ان الفاظ کے ساتھ: ''فإني أقول فيها أن لها صداقا كصداق نسائها لا وكس ولا شطط وأن لها الميراث وعليها العدة، فإن يک صواباً فمن الله وإن يک خطأ فمني ومن الشيطان والله ورسوله بريئان.'' یعنی اس عورت کو باقی خاندان کی عورتوں کے برابر مہر ملے گا، نہ اس سے کم نہ زیادہ، اور اسے خاوند

کی میراث میں سے حصہ ملے گا، اور اسے عدت بھی گزارنا پڑے گی۔ اگر یہ فتویٰ درست ہو تو اللہ کی توفیق سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بے تعلق ہیں۔''

یہ اجتہادی فیصلہ سن کر ابوسنان الاشجعی رضی اللہ عنہ اور اس کے بعض خاندان والوں نے گواہی دی کہ عہد نبوت میں بروع بنت واشق الخدریہؓ اور اس کے خاوند ھلال بن مرہ الاشجعی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی صورت حال پیش آئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی فیصلہ کیا تھا۔ اپنا فیصلہ سنت نبوی کے مطابق پا کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ [أبو داؤد النكاح باب ۳۱، الترمذی النكاح باب ۴۳ ح:۱۱۴۵ وقال:حسن صحيح، النسائی النكاح باب ۶۸]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کا یہی طرز عمل تھا، پوری دلجمعی کے ساتھ کتاب وسنت میں مسئلہ تلاش کرتے، خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے اقوال کا پتہ چلاتے، مکمل جدوجہد اور اجتہاد کے بعد اطمینان کر کے فتویٰ دیتے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''إن الذی یفتی الناس فی کل ما یستفتیٰ لمجنون'' [الدارمی ۱/ ۵۷ ح:۱۷۱] ''جو شخص ہر پوچھے گئے مسئلے میں لوگوں کو فتویٰ دے وہ یقیناً پاگل ہے۔'' اصحابِ رسول اللہ ﷺ کا یہ منہج افتاء واجتہاد اور طرز استدلال کتاب وسنت سے مأخوذ ہے، جس کی پابندی ہر مفتی کا فرض ہے۔

{10} مستند اور مدلل کتب پر ہی اعتماد کرنا چاہیے

مفتی کی شخصیت کی تعمیر وتکوین میں اساتذہ کے بعد سب سے اہم کردار کتابوں کا ہے۔ کتب فقہ وفتاویٰ بھی علماء اور فقہاء کی طرح ہیں، بہت سارے علماء ومؤلفین ایسے ہیں جنہوں نے پڑھا اور لکھا تو بہت ہے، مگر انہیں مسائل کا ادراک اور تفقہ حاصل نہ ہوسکا، یہ لوگ جو کچھ پڑھتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔ جس سے ان کی کتابوں کا حجم اور تعداد تو بڑھ جاتی ہے مگر فوائد کم ہوتے ہیں۔ جن علماء راسخینؒ کو فہم وبصیرت اور تفقہ فی الدین کی دولت حاصل ہے' انہوں نے پڑھا اور سمجھا زیادہ لیکن لکھا کم ہے۔ وہ مطالعہ نہیں' حاصل مطالعہ لکھتے ہیں، نصوص سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کی بہترین مثال قرآن حکیم میں سابقہ امتوں کے احوال اور ان سے حاصل ہونے والے دروس وعبر کا عظیم الشان انتخاب ہے۔ ائمہ محدثین کا انتخابِ حدیث بھی اس کی اچھی مثال ہے، جنہوں نے بہت سیکھا، جمع کیا اور پڑھا مگر کم لکھا اور خوب لکھا۔ مثلاً امام بخاریؒ نے چھ لاکھ اخبار وآثار میں سے صرف چند ہزار کا انتخاب کیا، پھر ان سے استدلال کر کے جو تراجم ابواب قائم کیے وہ فقہ البخاری کی دلیل ٹھہرے۔ تقریباً یہی صورت حال باقی مؤلفین کتب ستہ کی ہے۔ اس کے برعکس مرتبین کتب فقہ اور فقہاءِ مذاہب باوجود فقہ اور اصولِ فقہ کی مہارت کاملہ کا دعویٰ رکھنے کے' ائمہ فقہ کے اقوال وفتاویٰ اور اجتہادات کی